ZAUQ-E-TAHQEEQ
www.Zauq-e-Tahqeeq.com
editor@zauq-e-tahqeeq.com
ISSN PRINT: 2789-8776
ISSN ONLINE:2789-8784
Volume.8,Issue No.1 (2026)
(January to March)

احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری کا سیاسی و سماجی مطالعہ

A Political and Social Study of Ahmad Nadeem Qasmi's Short Story Writing

غلام شبیر
پی ایچ۔ڈی اسکالر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان
ڈاکٹر اسلم عزیز درانی
پروفیسر، شعبہ اُردو، نیشنل کالج آف بزنس ایڈمنسٹریشن اینڈ اکنامکس، ملتان

Ghulam Shabbir
Ph.D Scholar, Department of Urdu, National College of Business Administration & Economics, Multan
shabirsial506@gmail.com
Dr. Aslam Aziz Durrani
Professor, Department of Urdu, National College of Business Administration & Economics, Multan

Article Details
Received:
February 20, 2026
Accepted:
March 03, 2026
Online Published:
March 16, 2026

Copyright: © 2023 by the authors. This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Abstract: Ahmed Nadeem Qasmi's short stories reveal the political tensions and social ruptures that shaped early Pakistan, portraying marginalized individuals whose suffering exposes the failures of newly formed power structures. Through narratives centered on refugees, laborers, peasants, and displaced families, Qasmi illustrates how independence did not erase exploitation; rather, old hierarchies re-emerged under new names. His characters navigate hunger, dislocation, feudal oppression, and bureaucratic indifference, showing how political ideals are often shattered by social inequalities. The peasants' struggle for water, land, and dignity becomes a metaphor for a nation still captive to entrenched privilege. By blending emotional depth with sharp socio-political insight, Qasmi exposes the invisible mechanisms of power that shape everyday life. His fiction not only documents historical realities but also critiques them, urging a collective moral awakening. Ultimately, Qasmi transforms the short story into a site of ethical reflection, where the pain of the oppressed becomes a powerful indictment of social injustice and a reminder that genuine nationhood is impossible without human dignity and equality.

Key words: Social Inequality, Political Oppression, Refugee Crisis, Marginalized Communities, Feudal Exploitation, Human Dignity, Bureaucratic Apathy, Nation-Building

احمد ندیم قاسمی کے افسانے پاکستان کے ابتدائی دور کی سیاسی کشیدگیوں اور سماجی ٹوٹ پھوٹ کو بے نقاب کرتے ہیں، جہاں پسے ہوئے طبقوں کی زندگیوں میں پوشیدہ اذیتیں نو قائم شدہ طاقت کے ڈھانچوں کی ناکامی کو واضح کرتی ہیں۔ مہاجرین، مزدوروں، کسانوں اور بے گھر خاندانوں کے گرد بُنے گئے بیانیوں کے ذریعے قاسمی یہ دکھاتے ہیں کہ آزادی نے استحصال کو ختم نہیں کیا، بلکہ پرانے طبقاتی ڈھانچے نئے ناموں کے ساتھ پھر سے زندہ ہو گئے۔ ان کے کردار بھوک، بے وطنی، جاگیر دارانہ جبر اور سرکاری بے حسی کا

سامنا کرتے ہیں، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ سیاسی نظریات اکثر سماجی عدم مساوات کے ہاتھوں پاش پاش ہو جاتے ہیں۔ پانی، زمین اور عزت کے لیے کسانوں کی جدوجہد ایک ایسی قوم کی علامت بن جاتی ہے جو اب بھی طاقت ور طبقوں کے شکنجے میں جکڑی ہوئی ہے۔ جذباتی گہرائی اور تیز سیاسی و سماجی بصیرت کے امتزاج سے قاسمی اُن پوشیدہ قوتوں کو سامنے لاتے ہیں جو روزمرہ زندگی کی سمت متعین کرتی ہیں۔ ان کی تخلیقات محض تاریخی حقائق کی دستاویز نہیں بلکہ ان کا تنقیدی جائزہ بھی ہیں، جو اجتماعی اخلاقی بیداری کی دعوت دیتی ہیں۔ آخرکار قاسمی افسانے کو اخلاقی فکر کا ایسا وسیلہ بنا دیتے ہیں جہاں مظلوم کی تکلیف سماجی ناانصافی کے خلاف ایک گہرا احتجاج بن کر ابھرتی ہے اور یہ یاد دہانی بھی کہ حقیقی قومیت انسان کی عزت اور برابری کے بغیر ممکن نہیں۔

احمد ندیم احمد ندیم قاسمی کی افسانہ نگاری برصغیر کی اس تاریخ کا معتبر اور زندہ حوالہ ہے جو محض سیاسی تبدیلیوں یا جغرافیائی تقسیم کا ذکر نہیں کرتی بلکہ ان تبدیلیوں کے پس منظر میں انسان کی اندرونی شکست وریخت، معاشرتی ڈھانچے کی کمزوریوں، طاقت کے مراکز کے بے رحم رویّوں، اور عام انسان کی روزمرہ جدوجہد کو پوری قوت کے ساتھ سامنے لاتی ہے۔ وہ پاکستانی معاشرے کے ابتدائی برسوں کا ایسا مجموعی منظرنامہ پیش کرتے ہیں جس میں معاشرتی خلفشار، سیاسی انتشار، تقسیم کے زخم، مہاجرت کی اذیت، دیہی زندگی کی محرومیاں، جاگیردارانہ قوت کا تسلط، بیوروکریسی کی بے حسی، طبقاتی طاقت کے تضادات اور انسان کے وجود پر پڑنے والی گہری دراڑیں ایک دوسرے میں گھل مل کر انسان کی اجتماعی نفسیات کا نقشہ ابھارتی ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں کبھی بلند بانگ دعووں یا جذباتی نعروں کے ذریعے سیاست کو نہیں چھیڑا، بلکہ عام انسان کے دکھ سے گزرتے ہوئے وہ ان قوتوں کو دکھاتے ہیں جو معاشرے کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہیں۔ ان کے ہاں سیاست دراصل طاقت کے رویّوں کی ایک صورت ہے اور سماج وہ میدان جہاں یہ رویّے انسان کے جسم و جان پر اپنے نشان چھوڑتے ہیں۔ اسلوب احمد انصاری رقم طراز ہیں:

> "احمد ندیم قاسمی کے افسانوں کے موضوعات وہ معاشی ناہمواریاں ہیں جو ہماری زندگی میں قدم قدم پر موجود ہیں۔ ان کی وجہ سے ظلم و استبداد کی بے شمار شکلیں بھیس بدل بدل کر ہمارے سامنے آتی رہتی ہیں اور سیاست و مذہب کے ٹھیکیدار ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر انہیں ہوا دیتے ہیں۔۔۔ ندیم قاسمی کا کوئی افسانہ محض عشقیہ افسانہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ عشق و محبت کے جذبات کی عکاسی ان کے یہاں ہمیشہ سماجی محرکات کے تانے بان سے متاثر ہوتی ہے۔"(۱)

شروع ہی سے ان کی نظر اُس انسانی طبقے پر مرکوز رہتی ہے جس کے پاس نہ دولت ہے نہ اختیار، مگر جس کی محنت اور خون سے ریاست کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اسی لیے وہ تقسیم کے بعد کے حالات کو صرف ایک بڑے تاریخی واقعے کے طور پر نہیں دیکھتے بلکہ اس میں پیدا ہونے والی انسانی ٹوٹ پھوٹ کو اہمیت دیتے ہیں۔ ان کے افسانے بتاتے ہیں کہ آزادی کا خواب اگر غریب کے برہنہ پیٹ اور ننگے پاؤں کو چھو نہ سکے تو وہ محض ایک سیاسی دعویٰ رہ جاتا ہے۔ تقسیم کی ہجرت، راستوں کی لاشیں، بچھڑ جانے والے خاندان، زخمی بچے اور فاقہ زدہ عورتیں احمد ندیم قاسمی کے بیانیے میں صرف منظرنامے کا حصہ نہیں بلکہ سیاسی فیصلوں کی ناکامی اور سماجی بے حسی کا پتا دیتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی ایسے کرداروں کے ذریعے یہ دکھاتے ہیں کہ ریاست کی اولین ذمہ داری انسانی جان کا تحفظ ہے، مگر جب ریاست طاقتوروں کی ہوسِ اختیار میں گرفتار ہو جائے تو وہ عام لوگوں کو صرف اعداد و شمار میں بدل دیتی ہے۔ افشاں ملک کہتی ہیں:

" احمد ندیم قاسمی ایک ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے اپنے افسانوں کے لیے ایسے کرداروں کا انتخاب کیا جو صحیح معنوں میں اس معاشرے سے تعلق رکھتے ہیں جن سے وہ نہ صرف خود واقف ہیں بلکہ ان کو بھوگا بھی ہے۔ اس تعلق سے ان کا مشاہدہ کافی گہرا ہے ۔"(۲)

یہی کیفیت افسانے "تسکین" میں پوری شدت کے ساتھ سامنے آتی ہے، جہاں پناہ گزین کیمپ میں موجود انسان نہ صرف جسمانی اذیت بلکہ ریاستی بے حسی کا شکار بنتے ہیں۔ دھوپ میں تپتے ہوئے، پھٹے چیتھڑوں میں لپٹے، بھوک اور پیاس سے نڈھال بچے اور عورتیں ایک ایسے منظر کا حصہ بن جاتے ہیں جہاں انسانی تکریم کا کوئی نام و نشان باقی نہیں رہتا۔ احمد ندیم قاسمی نے اس بدحالی کو جذباتی رنگ دینے کے بجائے حقیقت کے تھپیڑوں کے ساتھ دکھایا ہے، وہ لکھتے ہیں:

"میدان میں چیتھڑوں، گودڑوں کے گٹھوں کے آس پاس بدلے ہوئے انسان منتھنوں اور آنکھوں میں گھستی ہوئی لکھیائیں اڑا رہے تھے، اوپر چیلیں اڑ رہی تھیں، اور نیچے چیونٹیاں رینگ رہی تھیں۔ جیسے وہ انسانوں کے ان کھنڈروں کی سیاحی میں سرگرداں ہیں، جن کے آس پاس ننھے بچے زمین پر لوٹ لوٹ کر اور گلابی ہاتھوں سے مٹی نوچ نوچ کر مم مم پکار رہے تھے۔ "(۳)

یہ منظر صرف غربت یا بھوک کا بیان نہیں بلکہ ایک پوری سیاسی بے حسی کا نوحہ ہے۔ کیمپ میں موجود حکومتی نمائندے انسانوں کے دکھ پر عملی قدم اٹھانے کے بجائے بیان بازی میں مصروف رہتے ہیں۔ جب راوی معلومات اکٹھی کرنے کے لیے دن بھر تھکے ہارے مہاجروں کے درمیان گھومتا ہے اور ان کے بچھڑے ہوئے افراد کا اندراج کرتا ہے، تو اسے یقین ہوتا ہے کہ اب شاید کوئی حقیقی مدد پہنچے گی۔ مگر جب اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ سب صرف تسلی دینے کا ہتھکنڈہ تھا قاسمی اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

"مولانا نہایت اطمینان سے بول رہے تھے: مدیوں نہ کیا جاتا تو یہ آپ کو ہر روز تنگ کرتے رہتے۔ یہ سب کچھ بیچاروں کی تسلی ہی کے لئے ہو رہا ہے، ورنہ آپ جانتے ہیں ان حالات میں کون جا سکتا ہے وہاں۔"(۴)

احمد ندیم قاسمی ریاست کے اس چہرے کو عیاں کرتے ہیں جو کمزور انسان کو امید دے کر اس کی تکلیف کو وقتی طور پر دبا تو دیتا ہے مگر حل کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھاتا۔ یہی "سیاسی تماشا" ہے جس کے خلاف احمد ندیم قاسمی کا پورا فن احتجاج بن کر کھڑا نظر آتا ہے۔ قاسمی کے اس افسانے کی سیاسی و سماجی پرتوں کو ڈاکٹر افشاں ملک نے نہایت مؤثر انداز میں واضح کیا ہے:

"تقسیم ہند کے بعد پیدا ہونے والے مسائل، مہاجروں کی پریشانیاں، ذیلداروں اور جاگیرداروں کے ظالمانہ رویوں اور کمزور اور باوسائل طبقوں کے بیچ کی تکرار کو بڑی دیانتداری اور فنی چابکدستی سے پیش کیا ہے نیز کرداروں کی نفسیاتی کیفیات کی بھرپور عکاسی بھی کی ہے۔ "(۵)

اسی طرح افسانہ "جب بادل اڈے" تقسیم کے بعد کی دیہی زندگی کو سیاسی و سماجی زاویے سے سامنے لاتا ہے۔ یہاں مسئلہ صرف پانی کے حصول یا زمین کی کاشت کا نہیں بلکہ وہ پوری سیاسی ساخت ہے جو جاگیر دار کو قوت دیتی ہے اور غریب کسان کو مسلسل غلامی میں جکڑے رکھتی ہے۔ مہاجر کسان جب جاگیر دار کی زیادتیوں کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور کہتا ہے:

"مجھے معلوم نہ تھا کہ پاکستان بھی اپنے اندر ایسے پھوڑے چھپائے بیٹھا ہے اور جاگیر دار جی! اگر پاکستان کو زندہ رہنا ہے تو اسے یہ پھوڑے کاٹ کر پھینکنا پڑیں گے۔ "(۶)

تو یہ جملہ فرد کی چیخ سے زیادہ ریاستی نظام پر سوال بن جاتا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے نزدیک پاکستان کے اصل دشمن وہ بیرونی سازشیں نہیں بلکہ وہ اندرونی پھوڑے ہیں جو طاقت کے ناجائز استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر سبینہ اویس لکھتی ہیں:

"شومئ قسمت کے ایسے پھوڑے جڑ سے کاٹ پھینکنے کی بجائے ملکی سیاست کے ماتھے پر جھومر کی مانند سجا دیئے گئے اور اس طرح سینکڑوں افراد اپنے خوابوں کو آنکھوں میں دفن کر بیٹھے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ پہلے یہ لوگ انگریز کے خیر خواہ تھے، اب پاکستان کی وفاداری کا دم بھرتے ہیں۔"(۷)

یہ رائے دراصل اس پورے سیاسی ڈھانچے کی ترجمانی کرتی ہے جس میں آزادی کے بعد بھی طاقتور طبقہ مزید مضبوط ہو گیا۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں دیہات کی عکاسی محض پس منظر کا حصہ نہیں بلکہ پورے بیانیے کی روح ہے، کیوں کہ وہ دیہی زندگی کو اس کی اصل فضا، اس کے رنگ، اس کی خوشبو، اس کی محرومی اور اس کی انسانی حرارت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں گاؤں ایک جغرافیائی جگہ نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ ہے جہاں لوگ خاک آلود راستوں، کھیتوں کی نمی، کنویں کے پانی، کچی دیواروں، موسموں کی شدت اور غریبی کی دھوپ چھاؤں میں اپنی پوری زندگی بسر کرتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی دیہاتی کرداروں کو ترحم کے پیکر نہیں بناتے بلکہ ان کی معصومیت، ان کے سادہ اصول، ان کی محنت، ان کے دکھ درد اور ان کی بے آواز عظمت کو اس طرح نمایاں کرتے ہیں کہ قاری کو دیہی معاشرت کی دھڑکن سنائی دینے لگتی ہے۔ گاؤں کے مالی، کسان، چرواہے، مزارع، اور عورتیں اپنی محدود دنیا میں جتنے بڑے دکھ سہتے ہیں اتنی ہی بڑی انسانیت بھی رکھتے ہیں، اور یہی انسانیت احمد ندیم قاسمی کی دیہی علامت کو اخلاقی قوت عطا کرتی ہے۔ اس حوالے سے افشاں ملک اظہار خیال کرتی ہیں:

" احمد ندیم قاسمی ان معدودے چند افسانہ نگاروں میں سے ہیں جنہوں نے دیہی زندگی کے اس طبقاتی اور معاشرتی نظام میں برسوں تک شرکت کی ہے جو مذہبی توہم پرستی، فرسودگی اور روایت زدگی میں مبتلا تھے۔ قاسمی اس معاشرتی وضع زندگی سے بھی بذات خود گزر چکے ہیں جن میں خاندانی عداوتیں اور اس کے نتیجہ میں نسل در نسل چلنے والی انتقامی روش، دیہی زندگی کا مہاجنی معاشرہ اور اس معاشرے کے لوگوں کی اخلاقی اور روایتی زندگی، زرعی رسم و رواج، فطرت کی گود میں پلنے والے نیز فطری مناظر سے ہم آہنگ لوگوں کے اخلاق و کردار ان کے رویے، ان کی رسمیں اور رومان، پھر گاؤں سے شہر تک منتقل ہونے والی زندگی کی چہل پہل، اس کا تصنع پن، دوستی اور منافقت، آپس

داری اور موقع پرستی یعنی ہر ذہنی رویہ کے کرداروں کی عملی رفاقت یہ سارا کچھ ان کے ذاتی اور انفرادی تجربوں سے گذرا ہے۔"(۸)

ان کے افسانوں میں دیہات کی زندگی غربت، استحصال اور طبقاتی جبر سے ضرور گزرتی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ محبت، قربت، سادگی اور فطرت کے ساتھ ہم آہنگی بھی دکھائی دیتی ہے۔ یہی توازن ان کے فن کو ایک ایسے گہرے تجربے میں بدل دیتا ہے جو دیہات کی حقیقی روح کو نہایت دلنشین مگر بے حد حقیقت پسندانہ انداز میں قاری کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ افسانہ "سونے کا ہار" میں ایک کسان کا ذکر ہے جو اپنی عزت کی خاطر اپنی جائیداد کو داؤ پر لگا دیتا ہے اور بیٹی کے بیاہ پر اسے سونے کا ہار دینے کا خواہش مند ہے تاکہ برادری میں اس کی ساکھ برقرار رہے۔ لیکن جب وہ ذیلدار کے ہاتھوں زمین فروخت کرنے سے انکار کر دیتا ہے اور چودھری کے پاس جاتا ہے تو چودھری اسے زمین کی قیمت کیا دیتا ہے ملاحظہ ہو:

"چودھری نے زمین کی آدھی قیمت بتائی۔ احمد علی نے اعتراض کیا تو وہ بولا۔ تو پھر کہیں اور بیچ ڈالو، میری طرف سے تمہیں آزادی ہے، ذیلدار کے ہاں بیچ دو۔ نقد روپی اور کون دے گا۔"(۹)

افسانہ **"سونے کا ہار"** احمد ندیم قاسمی کی اس فنی بصیرت کا مظہر ہے جس میں وہ ایک چھوٹی سی روزمرہ واردات کو سماجی ناہمواریوں اور سیاسی بے چینیوں کے ساتھ جوڑ کر پیش کرتے ہیں۔ اس افسانے میں سونے کا ہار محض ایک زیور نہیں بلکہ اس طبقاتی فرق، محرومی، اور عدم تحفظ کی علامت ہے جو متوسط اور غریب طبقے کی زندگیوں کو گھیرے رکھتا ہے۔ کرداروں کے باہمی معاملات میں وہ خوف، بے اعتمادی اور اضطراب جھلکتا ہے جو تقسیمِ دولت اور سماجی طاقت کے غیر منصفانہ ڈھانچے سے جنم لیتا ہے۔ بقول رضوان بن علاء الدین:

"احمد ندیم قاسمی نے اپنے افسانوں میں حالات کی ستم ظریفی، معاشی جبر، ظلم و ستم، سماجی قوانین اور ناانصافیوں پر مبنی نظام حقیقت کو پیش کیا۔ وہ انسان کی تذلیل و تحقیق کے سامنے خاموش تماشائی بن کر نہیں رہنا چاہتے تھے۔ وہ افلاس زدہ بستیوں اور گھرانوں سے پر زور متعارف کراتے رہے جو انتہائی بے بسی اور لاچارگی میں سسک سسک کر زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ ان مظلوموں کی حمایت میں وہ ہر وقت کھڑے نظر آئے۔"(۱۰)

احمد ندیم قاسمی کے افسانوں میں سیاسی شعور اس حقیقت کو بے نقاب کرتا ہے کہ بے بس عوام اکثر **"ایک ریوڑ، ایک انبوہ"** کی طرح طاقتور طبقے کے ہاتھوں استعمال ہوتے ہیں۔ وہ دکھاتے ہیں کہ جمہوریت، قیادت اور اختیار کے پردے میں عوامی رائے کو کس طرح موڑا جاتا ہے۔ ان کے کردار حالات سے مجبور ہو کر اجتماعی بے بسی کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اس سیاسی شعور کی وضاحت کے لیے اقتباس ملاحظہ کریں:

"جلسوں اور جلوسوں کا ایک طوفان امڈ پڑا۔ لاہور سے حکم آتے تھے کہ دولتانہ اور شوکت حیات آرہے ہیں۔ دو میل لمبے جلوس کا انتظام کرو کہ مثال پیش نہ کی جاسکے۔ سبز

ریشمی جھنڈے ہوا میں پھڑ پھڑاتے، نیچے، مسلم ہے تو مسلم لیگ میں آ کے گیت گائے
جاتے اور پاکستان زندہ باد کے نعروں کا ایک طومار بندھ جاتا۔"(۱۱)

احمد ندیم احمد ندیم قاسمی نے تقسیم کے المیے کو کسی شور انگیز احتجاج یا بیانیۂ جبر کے طور پر نہیں پیش کیا بلکہ انسان کی داخلی ٹوٹ پھوٹ، بے گھری کی اذیت، اور شناخت کے بکھر جانے کی صورت میں دکھایا ہے۔ ان کے افسانوں میں تقسیم ایک تاریخی واقعہ نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کی ٹوٹ چکی بنیادوں کا نام ہے، جہاں گھر اجڑتے ہیں، رشتے کٹتے ہیں، زمینیں غیر ہو جاتی ہیں اور انسان اپنے ہی وجود سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔۔ احمد ندیم قاسمی کے نزدیک تقسیم کا اصل المیہ یہ ہے کہ اس نے انسان کے اندر سے اعتماد اور زمین کے ساتھ جڑی ہوئی شناخت چھین لی، اور نئے سماج میں قدم رکھتے ہی وہ سیاسی و سماجی طاقت کے نئے جال میں پھنس گیا۔ ان کے افسانوں میں تقسیم کا دکھ اس لیے زیادہ شدید محسوس ہوتا ہے کہ وہ اسے انسان کی آنکھوں، سانسوں اور خاموشیوں میں دکھاتے ہیں، جہاں تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ ایک بے آواز چیخ بن کر پوری نسل کا مقدر بدل دیتا ہے۔ اس حوالے سے افشاں ملک لکھتی ہیں:

" تقسیم ملک کے بعد جو لوگ ہجرت کر کے ہندوستان سے پاکستان پہنچے یا پاکستان سے
ہندوستان آئے ان کی زندگی کے المناک اور دردناک واقعات کو بھی احمد ندیم قاسمی نے
اپنے لفظوں سے قرطاس کے کینوس پر بڑی خوبصورتی سے ابھارا ہے۔"(۱۲)

پرمیشر سنگھ کا افسانہ "تقسیم ہند" ایک ایسے زمانے کی عکاسی کرتا ہے جب سیاسی اور سماجی انتشار نے معاشرتی ڈھانچے کو بدل کر رکھ دیا تھا۔ افسانہ انسانی نفسیات، خوف، بے بسی اور نئے سیاسی حقائق کے زیرِ اثر افراد کی زندگیوں کی پیچیدگیوں کو بخوبی سامنے لاتا ہے۔ پرمیشر سنگھ نے تقسیم کے تناظر میں معاشرتی تعلقات کی کمزوری، لسانی اور مذہبی تنازعات، اور شخصی بحرانوں کی باریکیوں کو اپنے کرداروں کے ذریعے بیان کیا ہے۔ افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح عام انسان کی روزمرہ زندگی سیاسی فیصلوں اور سماجی انتشار سے متاثر ہوتی ہے، اور کس طرح خوف اور غیر یقینی کی کیفیت اس کے فیصلوں اور عمل پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس طرح افسانہ نہ صرف تقسیم کے تاریخی تناظر کو واضح کرتا ہے بلکہ انسانی نفسیات اور سماجی ڈھانچے پر اس کے اثرات کو بھی گہرائی سے اجاگر کرتا ہے۔

"وہ سڑک کے کنارے کھڑا ہو کر ٹوٹتے ہوئے گھروں کی جانب دیکھ رہا تھا، ہر مکان ایک
کہانی، ہر چہرہ خوف اور بے بسی کی تصویر بن چکا تھا۔"(۱۳)

احمد ندیم قاسمی کے افسانے رئیس خانہ میں سماج کی ساخت، انسانی رویّوں، اور معاشرتی تقسیم کے وہ پہلو نمایاں ہوتے ہیں جو فرد کی زندگی کے اندرونی اور بیرونی دونوں دائرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ کوہستانِ نمک کی چوٹی پر واقع بنگلہ اس افسانے میں ایک ایسی سماجی فضا کی علامت بن کر سامنے آتا ہے جس میں لوگ اپنی حیثیت، ضرورت اور درجہ بندی کے مطابق زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ یہاں کا ماحول انسانوں کے درمیان تعلقات کو اس طرح تشکیل دیتا ہے کہ ہر کردار اپنے سماجی مقام کے زیرِ اثر بولتا، سوچتا اور عمل کرتا نظر آتا ہے۔

فضلو اور مریاں اس طبقے کی نمائندگی کرتے ہیں جو دستورِ معاشرت کے نچلے درجے سے تعلق رکھتا ہے۔ ان کی روزمرہ زندگی چھوٹے چھوٹے جھگڑوں، ذہنی دباؤ، تھکن اور وقتی خوشیوں پر مشتمل ہے۔ ان کے درمیان تلخی اور بے سمتی سماج کی اُس داخلی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے جہاں محدود وسائل، ذہنی تھکن اور حالات کا دباؤ انسانی رشتوں کے اندر کشیدگی کو بڑھا دیتا ہے۔ شیرو کی موجودگی اگرچہ اُن کی زندگی میں نرمی اور تعلق کا احساس پیدا کرتی ہے، لیکن سماجی درجہ بندی اور معاشی تنگی ان کی تمام خواہشوں اور

ممکنات کو گھیرے رکھتی ہے۔ اس کے مقابلے میں یوسف اس سماجی ترتیب میں اُس مقام پر کھڑا ہے جہاں اختیار اور مراعات انسان کے رویّے کا حصہ بن جاتے ہیں۔ فضلو کے ساتھ اُس کا برتاؤ، مالی ترغیب دے کر اپنی خواہشات پوری کرانا، اور انسانوں کے درمیان بنایا گیا یہ غیر متوازن فاصلہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ سماجی طاقت کس طرح دوسروں کی زندگیوں پر اپنا رنگ چڑھاتی ہے۔ یوسف کے لیے یہ سب ایک کھیل یا مشغلہ ہے، مگر فضلو کے لیے یہ اس سماجی نظام میں اپنی جگہ برقرار رکھنے کی ایک مجبوری بن جاتا ہے۔ اس انداز کا رویہ اُس ذہنیت کو اُجاگر کرتا ہے جس میں طاقت رکھنے والا طبقہ انسانوں کے درمیان فرق کو نہ صرف تسلیم کرتا ہے بلکہ اسے اپنے فائدے کے مطابق استعمال بھی کرتا ہے۔ پروفیسر اسلوب احمد انصاری لکھتے ہیں:

> "ان کا مشاہدہ گہرا ہے۔ انسانی فطرت کے پیچ و خم سے ان کی واقفیت بڑی دور بیں اور بلیغ ہے۔ وہ زندگی کی سفاک حقیقتوں پر کوئی رنگین پردہ نہیں ڈالتے اور انسانوں کے عنصری محرکات کو ان کے اصلی رنگ میں پیش کرنے میں نہیں جھجھکتے۔ جنس سے ان کی دلچسپی معمولن کے مطابق ہے اس میں مریضانہ لذت اندوزی نہیں۔"(۱۴)

رئیس خانہ میں احمد ندیم قاسمی نے ان کرداروں اور ان کے باہمی رشتوں کے ذریعے ایک ایسا سماجی منظر نامہ ترتیب دیا ہے جہاں ہر ردِ عمل، ہر فیصلہ، اور ہر رشتہ معاشرتی دباؤ، طبقاتی امتیاز اور باہمی فاصلے کے زیرِ اثر پروان چڑھتا ہے۔ اس افسانے کا مطالعہ یہ احساس دلاتا ہے کہ احمد ندیم قاسمی کے نزدیک فرد کی زندگی کو سمجھنے کے لیے اس سماجی دائرے کو دیکھنا ضروری ہے جس میں وہ سانس لیتا ہے، اور یہی دائرہ اُس کی خواہشوں، اُس کی کمزوریوں اور اُس کی تمام صلاحیتوں کی سمت متعین کر دیتا ہے۔ احمد ندیم احمد ندیم قاسمی رقم طراز ہیں:

> "دس روپے روز۔۔۔ بیس دنوں میں دو سو روپے۔۔ دس مہینوں کی تنخواہ۔۔۔ اور پھر سب سو رہے ہیں، سب سو جاتے ہیں اور اسے روپیہ چاہیے، عورتوں کو بھی روپیہ چاہیے ۔۔۔ ماؤں باپوں کو بھی روپیہ چاہیے۔۔۔ مولوی حلیم نے دو لڑکیوں کو خراب کیا، پکڑا گیا، قید ہوا، چھوٹ کر آیا۔ لعنت ملامت ہوئی اور پھر سے مسجد کا امام ہو گیا۔۔۔ اور وہ اتنا بڑا زمیندار ہے اور اتنا غریب ہے کہ چوکیدار سے ایک عورت کی بھیک مانگ رہا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ وہ اس بھیک کی قیمت بھی ادا کرے گا۔"(۱۵)

احمد ندیم احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "جوتا" سیاسی و سماجی ماحول میں طاقت اور انصاف کے تضادات کو واضح کرتا ہے۔ افسانہ ایک عام آدمی، کرموں، کے گرد گھومتا ہے جو اپنی محنت اور ایمانداری کے باوجود معاشرتی اور سیاسی ناانصافی کا شکار ہوتا ہے۔ ووٹ درج کرنے کے عمل میں اس کے نام کی تحریف اور اس کے احترام کی پامالی اس بات کی نمائندگی کرتی ہے کہ کیسے طاقتور طبقہ کمزور لوگوں پر ظلم ڈھاتا ہے۔ کرموں کا ردِ عمل اور چودھری کو جوتا لگوانا اس مظالم کے خلاف ایک اخلاقی اور روحانی احتجاج کی علامت ہے، جو یہ دکھاتا ہے کہ حقیقی انصاف اور ضمیر کی آواز ہمیشہ موجود رہتی ہے، چاہے وہ مادی طاقت کے سامنے چھپی ہو۔

> "اب وہ محنت کرتے ہیں اور میری محنت کا بدلہ چکاتے زکوۃ بھی نکالتا ہوں۔ اب وہ محنت کرتے ہیں اور میری محنت کا بدلہ چکاتے ہیں، تو گداگر کیسے ہو گیا؟ گداگری اتنی سستی ہے تو چودھری کو گداگر لکھو کہ کسان محنت کرتا ہے اور چودھری کھاتا ہے۔"(۱۶)

یہ اقتباس افسانے میں عام آدمی کی محنت، سماجی حیثیت، اور سیاسی طاقت کے تضاد کو نمایاں کرتا ہے۔ افسانہ "سفارش" میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح اثر و رسوخ، سفارش اور ذاتی تعلقات کمزور یا محتاج افراد کی زندگیوں پر گہرا اثر ڈال سکتے ہیں۔ فیکا کی حالت اور اس کی مدد کے لیے مرکزی کردار کی مداخلت یہ ظاہر کرتی ہے کہ سماجی ناہمواریوں اور بے انصافی کے باوجود، سفارش ایک مؤثر ذریعہ بن سکتی ہے، جو انسانی جذبات، شکر گزاری اور اخلاقی رشتوں کے تناظر میں بھی اہمیت رکھتی ہے۔

"بابو جی، کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔ میں شکریہ ادا کروں تو کیسے کرو۔ میرا بابا ٹھیک ہو گیا ہے، اس کی دونوں آنکھیں ٹھیک ہو گئی ہیں۔ اسے بینائی اللہ نے دی ہے اور آپ نے دی ہے۔ آپ نے مجھے خرید لیا ہے۔"(۱۷)

اس اقتباس میں یہ منظر سیاسی و سماجی ناہمواریوں اور طاقت کے اثرات کو ظاہر کرتا ہے کہ کمزور طبقہ اکثر ظاہری اثر یا تصور کے بنیاد پر رد عمل ظاہر کرتا ہے۔ فیکے کے لیے بابو جی کی موجودگی اور مدد سفارش کی مانند محسوس ہوئی، جو سماجی ڈھانچوں میں اعتماد اور اختیار کے غیر متوازن تعلقات کو نمایاں کرتا ہے۔ احمد ندیم احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "میں انسان ہوں" تقسیم ہند کے انسانی المیوں اور سماجی و سیاسی انتشار کا عکاس ہے۔ افسانہ انسانی فطرت، اخلاقی ذمہ داری اور اجتماعی بربریت کے درمیان تضاد کو نمایاں کرتا ہے۔ کردار بھٹی صاحب، ان کا بیٹا، بہو اور ہجوم کے ذریعے دکھایا گیا ہے کہ کس طرح سیاسی اور مذہبی تقسیم نے افراد کے اندر انسانیت کے احساس کو دبا دیا اور انہیں اپنے ہم نواؤں میں بیٹھ کر خونریزی کے مظاہرے کا حصہ بنا دیا۔ افسانے کا آغاز ہی انسان کی بنیادی شناخت اور اس کی اخلاقی کشمکش کی عکاسی کرتا ہے، جہاں کردار خود کو ستاروں، پھولوں اور پانیوں میں بسے خدا کے زیر اثر محسوس کرتا ہے لیکن عملی زندگی میں انسانیت کا فقدان دیکھتا ہے:

"میں انسان ہوں، کلائی پر کھرے ہوئے اوم، لولی پر لٹکے چاند ستارے اور پہلو میں لگتی ہوئی کرپان کے باوجود میں انسان ہوں۔ میں ساری دھرتی کا باشندہ ہوں اور میں ایک ایسے خدا کی عبادت کرتا ہوں جو ستاروں اور پھولوں اور پانیوں میں بسا ہوا ہے لیکن جس سے آج تک میری مل بھیلر نہیں ہوئی۔ میرا خمیر کسی ایسے مرکب سے اٹھا ہے جس میں تلاش کا مادہ ضرورت سے زیادہ ملایا گیا ہے۔ میرا اوم، میرا چاند ستارہ اور میری کرپان میری اس ازلی تلاش کے کارنامے ہیں۔ میرے ارتقاء کی تاریخ میں آوارگی کے سوا اور کچھ نہیں "(۱۸)

احمد ندیم قاسمی نے افسانے میں یہ دکھایا کہ تقسیم ہند کے اعلان کے ساتھ ہی قتل و غارت کا بازار گرم ہو گیا اور انسان کی لاشیں کھیتوں اور بازاروں میں بکھر گئیں۔ بھٹی صاحب کے گھر پر ہجوم کے حملے اور گھریلو افراد پر تشدد کے مناظر انسانی رویوں کی شدت، سیاسی اور مذہبی تعصب اور سماجی انتشار کو بے نقاب کرتے ہیں۔ افسانہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ سماجی بربریت میں انسانیت کی قدر کہاں تک ختم ہو سکتی ہے اور سیاسی تقسیم کس طرح انسانی تعلقات اور اخلاقیات کو متاثر کرتی ہے:

"کواڑ کے کرتے ہیں میرا بیٹا ہر بڑا کر اٹھا مگر ایک لمبوترے نیزے پر پرو دیا گیا اور پھر پھیلے ہوئے تھنوں اور جھکی ہوئی بھنوؤں والے ایک انسان نے دوسرے انسان کو مخاطب کیا، یہ جنڈا کیسا رہے گا خوفناک قبتیوں کے چھراؤ میں میرا بیٹا پرٹی کی طرح تانھیں تھاتا، ہاتھ

پاختار بل پر بل کھاتا رہا۔ بہو نے اچھل کر شوہر کو نیڑے سے لوٹی لینا چاہا۔ اسے اٹھا کر ہاتھوں اور پاؤں سے پکڑ کر سیدھا تان لیا اور پھر ایک شخص نے آگے بڑھ کر مڑے ہوئے گھر سے اس کی ایک چھاتی کاٹ کر اوپر اچھال دی جو دھب سے بلبلاتے ہوئے مجھے کے منہ پر گری..... ایک شخص نے آگے بڑھ کر ایڑی سے ملتے ہوئے کیا دوسرا گنبد بھی اکھیڑ لو اور اب میری بہو کی دوسری چھاتی تراشی گئی۔"(۱۹)

افسانے میں انسانی ارتقاء اور اخلاقی بربریت کے تضاد کو پیش کرتے ہوئے احمد ندیم قاسمی نے یہ واضح کیا کہ سیاسی اور سماجی انتشار انسانیت کے بنیادی شعور کو دھندلا کر دیتا ہے، اور مذہبی و نسلی تعصب انسانی تعلقات میں زہر گھول دیتا ہے۔ احمد ندیم احمد ندیم قاسمی کے افسانہ "ووٹ" میں ووٹ کو سیاسی طاقت کے حصول کا ایک ذریعہ اور سماجی اثرات کے آئینے کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح طاقتور لوگ ووٹ کے عمل کو اپنے ذاتی مفاد اور مقامی اثر ورسوخ بڑھانے کے لیے استعمال کرتے ہیں، اور رعایا کی رائے، اخلاقی ضابطے اور انسانی حقوق ان کے لیے ثانوی حیثیت رکھتی ہیں۔ ملک صاحب کا کردار یہ واضح کرتا ہے کہ سیاسی عمل کس طرح رشوت، دھمکی اور سماجی بغاوت کی بنیاد پر قابو پایا جا سکتا ہے، جبکہ عوام کے ووٹ کی حرمت اور ان کا فیصلہ نظر انداز کیا جاتا ہے۔

"پاکستان بننے کے بعد ملک صاحب کے بنگلے پر اتنا اونچا جھنڈا نصب کیا گیا کہ کوؤں، چیلوں اور چڑیوں نے کچھ دن کے لیے ادھر آنا تک چھوڑ دیا، اور آج ملک صاحب پاکستان کے بہت بڑے خیر خواہوں میں گنے جاتے ہیں اور حکمرانوں کے نمائندے اس علاقے میں آئیں تو سب سے پہلے ملک صاحب ہی کے ہاں دعوت کھاتے ہیں اور یوں ان کی زمینیں مزید انڈے دے رہی ہیں۔"(۲۰)

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ ووٹ اور سیاسی اثر ورسوخ کس طرح سماجی اور اخلاقی اقدار کو پس پشت ڈال کر طاقت کے حصول کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی کے افسانے سیاسی و سماجی شعور کی عکاسی کرتے ہیں اور ہمارے معاشرتی و انسانی مسائل کو نہایت سادہ مگر گہرائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں ظاہر کرتی ہیں کہ طاقتور طبقے اور بے بس عوام کے درمیان ایک واضح تضاد موجود ہے، جس میں مفاد پرستی، دھوکہ دہی اور سماجی ناانصافی عام ہے۔ قاسمی کے کردار محض افراد نہیں بلکہ سماجی اور سیاسی ڈھانچوں کی نمائندگی کرتے ہیں، جہاں ظلم، استحصال اور بربریت کے مناظر انسانی ہمدردی اور اخلاقی شعور کو جھنجھوڑتے ہیں۔ ان کی کہانیوں میں مزاح، طنز اور انسانی عاطفہ ایک ساتھ شامل ہوتا ہے، جو قارئین کو نہ صرف تفریح فراہم کرتا ہے بلکہ ان میں سیاسی شعور اور سماجی ذمہ داری کا ادراک بھی پیدا کرتا ہے۔ یوں احمد ندیم قاسمی کی ادبی خدمات نہ صرف اردو افسانہ نگاری کے لیے اہم ہیں بلکہ یہ سماجی و سیاسی شعور کو بیدار کرنے کا ایک مؤثر ذریعہ بھی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ احمد ندیم قاسمی نمبر، مرتب نند کشور وکریم، دہلی، عالمی اردو ادب، ۱۹۹۶ء، ص: ۲۳

۲۔ افشاں ملک، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی: آثار وافکار، نئی دہلی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ء،، ص: ۱۲۲

۳۔ احمد ندیم قاسمی، تسکین، مشمولہ، درودیوار، لاہور، مکتبہ اُردو، ۱۹۵۲ء، ص:۳۸

۴۔ ایضاً، ص:۴۷

۵۔ افشاں ملک، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی، آثار وافکار، ص:۱۳۳

۶۔ احمد ندیم قاسمی، جب بادل امڈے، مشمولہ، سناٹا، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء، ص:۴۴

۷۔ ڈاکٹر سبینہ اویس، احمد ندیم قاسمی کی نثر نگاری، اسلام آباد، پورب اکادمی، ۲۰۱۵ء، ص:۸۸

۸۔ افشاں ملک، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی، آثار وافکار، ص:۱۲۳

۹۔ احمد ندیم قاسمی، سونے کا ہار، مشمولہ، سیلاب و گرداب، لاہور، گلوب پبلشرز، ۱۹۶۱ء، ص:۱۲۸

۱۰۔ رضوان بن علاء الدین، احمد ندیم قاسمی کے افسانے، مشمولہ، روزنامہ جنگ نیوز، ۱۶ ستمبر ۲۰۲۰ء

۱۱۔ احمد ندیم قاسمی، ایک ریوڑ ایک انبوہ، مشمولہ، پت جھڑ، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۱۱۵

۱۲۔ افشاں ملک، افسانہ نگار احمد ندیم قاسمی: آثار وافکار، ص ۱۳۲

۱۳۔ احمد ندیم قاسمی، پرمیشر سنگھ، مشمولہ، سناٹا، ص۴۸

۱۴۔ اسلوب احمد انصاری، فلیپ، مجموعہ بگولے، لاہور، گلوب پبلشرز، ۱۹۸۷ء

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، رئیس خانہ، مشمولہ، سناٹا، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء،، ص:۴۴

۱۶۔ احمد ندیم قاسمی، جوتا، مشمولہ، احمد ندیم احمد ندیم قاسمی کے نمائندہ افسانے، مرتبہ، اسلم جمشید پوری، نئی دہلی، موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۲۰۰۷ ء، ص:۸۹

۱۷۔ احمد ندیم قاسمی، سفارش، مشمولہ، کپاس کا پھول، لاہور، نقوش پریس اردو بازار، ۱۹۷۶ء، ص:۵۵

۱۸۔ احمد ندیم قاسمی، میں انسان ہوں، مشمولہ، درودیوار، لاہور، سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۷ء، ص:۷

۱۹۔ ایضاً، ص:۱۳

۲۰۔ احمد ندیم قاسمی، ووٹ، مشمولہ، درودیوار، ص:۶۴

References in Roman Script:

1. Ahmad Nadeem Qasmi Number, murattib Nand Kishore wa Karim, Dehli, Aalmi Urdu Adab, 1996, p. 23.
2. Afshan Malik, Afsana Nigar Ahmad Nadeem Qasmi: Aasar o Afkar, Nai Dehli, Educational Publishing House, 2007, p. 122.
3. Ahmad Nadeem Qasmi, "Taskeen", mashmoola Dar-o-Deewar, Lahore, Maktaba Urdu, 1952, p. 38.
4. Ibid., p. 47.
5. Afshan Malik, Afsana Nigar Ahmad Nadeem Qasmi: Aasar o Afkar, p. 133.
6. Ahmad Nadeem Qasmi, "Jab Badal Amday", mashmoola Sanata, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2013, p. 44.
7. Dr. Sabina Owais, Ahmad Nadeem Qasmi ki Nasr Nigari, Islamabad, Porab Academy, 2015, p. 88.
8. Afshan Malik, Afsana Nigar Ahmad Nadeem Qasmi: Aasar o Afkar, p. 123.

9. Ahmad Nadeem Qasmi, “Sone ka Haar”, mashmoola Sailab o Gardab, Lahore, Globe Publishers, 1961, p. 128.
10. Rizwan bin Alauddin, “Ahmad Nadeem Qasmi ke Afsane”, mashmoola Roznama Jang News, 16 September 2020.
11. Ahmad Nadeem Qasmi, “Ek Rewar Ek Anboh”, mashmoola Pat Jhar, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2007, p. 115.
12. Afshan Malik, Afsana Nigar Ahmad Nadeem Qasmi: Aasar o Afkar, p. 132.
13. Ahmad Nadeem Qasmi, “Parmeshwar Singh”, mashmoola Sanata, p. 48.
14. Asloob Ahmad Ansari, Flap, majmooa Bagolay, Lahore, Globe Publishers, 1987.
15. Ahmad Nadeem Qasmi, “Raees Khana”, mashmoola Sanata, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2013, p. 44.
16. Ahmad Nadeem Qasmi, “Joota”, mashmoola Ahmad Nadeem Qasmi ke Numayinda Afsanay, murattib Aslam Jamshedpuri, Nai Dehli, Modern Publishing House, 2007, p. 89.
17. Ahmad Nadeem Qasmi, “Sifarish”, mashmoola Kapas ka Phool, Lahore, Naqoosh Press, Urdu Bazaar, 1976, p. 55.
18. Ahmad Nadeem Qasmi, “Main Insan Hoon”, mashmoola Dar-o-Deewar, Lahore, Sang-e-Meel Publications, 2007, p. 7.
19. Ibid., p. 13.
20. Ahmad Nadeem Qasmi, “Vote”, mashmoola Dar-o-Deewar, p. 64.